Research Journal
Tahqeeqat
جلد:5، شمارہ:1، 2026ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

رحمن عباس کے ناول "روحزن" میں روح اور جسم کے مکالمے کی معنوی تشکیل: ایک تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Semantic Formation of the Soul–Body Dialogue in Novel "Rohzin" by Rahman Abbas

Dr. Nadia Ashraf
Lecturer, Department of Urdu, NUML, Islamabad
naasharaf@numl.edu.pk
Dr. Nadeem Akhtar
Assistant Professor, Department of Urdu,
Northern University, Noshehra
akhtrndym2@gmail.com

ڈاکٹر نادیہ اشرف
لیکچرار، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد
ڈاکٹر ندیم اختر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نادرن یونیورسٹی، نوشہرہ

Abstract

This study examines the semantic construction of the dialogue between soul and body in "Rohzin" by Rehman Abbas. The novel portrays characters whose inner selves are wounded by familial neglect, emotional deprivation, and social pressures, leading them to seek healing through physical intimacy. The protagonist, Israr, experiences early sexual exposure and navigates love, identity, and existential conflict within the culturally diverse setting of Mumbai.Through characters such as Muhammad Ali, Shanti, and Yusuf, the narrative reveals that sexuality is not merely a bodily act but a response to psychological trauma and fractured identities. The tragic culmination of Israr and Hina's relationship symbolizes the failure of the body to fully compensate for the wounds of the soul. Thus, the novel presents the soul–body dialogue as a complex interplay of desire, trauma, and existential longing, where physical union ultimately intensifies inner fragmentation rather than resolving it.

Keywords: *Soul–Body Dialogue, Sexuality, Existential Crisis, Psychological Trauma, Identity Formation*

کلیدی الفاظ: روح و جسم کا مکالمہ، جنسیت، وجودی بحران، نفسیاتی صدمہ، تشکیلِ شناخت

یہ مقالہ "روحزن" میں روح اور جسم کے باہمی مکالمے کی معنوی تشکیل کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ رحمن عباس اس ناول میں ایسے کرداروں کی کہانیاں بیان کرتے ہیں جن کی روحیں سماجی اور خاندانی جبر، محرومی اور استحصال کے باعث زخمی ہو جاتی ہیں، اور وہ ان داخلی خلا کو پُر کرنے کے لیے جسمانی تعلقات کا سہارا لیتے ہیں۔ ناول میں ممبئی کو ایک تاریخی اور تہذیبی طور پر متنوع شہر کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جہاں مختلف قومیتوں، مذاہب اور ثقافتوں کے افراد ایک پیچیدہ سماجی ڈھانچے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ دیگر اہم کرداروں محمد علی، شانتی، یوسف اور ایمل کی زندگیوں کے ذریعے مصنف یہ واضح کرتے ہیں کہ جنسی رویے محض جسمانی خواہشات کا اظہار نہیں بلکہ روحانی خلا، شناخت کے بحران اور سماجی عدم استحکام کا نتیجہ ہیں۔ خصوصاً شانتی اور یوسف کے کردار خاندانی انکار، استحصال اور جذباتی محرومی کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں، جبکہ ایمل کے کردار کے ذریعے جسم کو ایک نظریاتی و فکری ہتھیار کے طور پر برتا گیا ہے۔

ناول نگار کا ذہن کہانی لکھنے کے لیے بچپن سے ہی بیدار ہوتا ہے البتہ وہ سماجی پہلوؤں کو سمجھنے اور ان کو بیان کرنے کے طریقے ضرور سیکھتا رہتا ہے۔ ناول نگار اپنے سماج سے بے ربط ہو کر کچھ نہیں لکھ سکتا اور سماج سے پیوستہ رہ کر سب کچھ لکھ سکتا ہے مگر سماج سے پیوستہ رہ کر بھی کہانی کو

OPEN ACCESS
HEC
DRJI
INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
اشاریہ اردو جرائد
EuroPub

بیان کرنے کے دو طریقے ہوسکتے ہیں ایک وہی اصول جو ازل سے چلتا آرہا ہے مطلب سماج کے کسی پہلو کو سماج کے رکن کی حیثیت سے دیکھ کر سماج کے محدود و مقید اصولوں کی لڑی میں پرو کر بیان کر دینا اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سماج کے کسی پہلو کو انصاف کی عینک سے دیکھ کر، سچ کی چھانٹی سے چھان کر بغاوت کی اونچی کھونٹی پر لٹکا دینا تاکہ سب دیکھ سکیں۔ اکیسویں صدی کے ناول نے ایسی ہی کروٹ لی ہے کہ وہ تمام پہلو عوام کی عدالت میں لاکر کھڑے کر دیے ہیں جن کو سماج کے نام نہاد مہذب لوگ چوری چھپے عمل میں تو لاتے تھے مگر صفحہ قرطاس پر لانے سے گریزاں تھے۔ اکیسویں صدی کے ناول کے حوالے سے منصور خوشتر لکھتے ہیں:

> "اکیسویں صدی کے میں اردو ناول نے کروٹ ضرور لی ہے۔ تازہ بہ تازہ مضامین سے ناول کے مستقبل کی وضاحت سامنے آئی ہے اور امکانات بھی روشن ہوئے ہیں۔ لیکن معاصر اور ناول کے پس منظر میں کئی سوالات و مسائل بھی سامنے آکھڑے ہوئے ہیں۔ مثلاً ناول کی تفہیم، ناول میں تاریخی حسیت و عناصر کی شمولیت، صحافت اور ادب کے انسلاکات، ناول پر سنجیدہ مکالمہ، بڑھتی ضخامت اور گم ہوتے قارئین"۔(۱)

ناول میں زندگی کو مکمل طور پر دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور زندگی کے پیچ و تاب اور نشیب و فراز کبھی سادہ اور کبھی علائم و رموز کی زبان میں بیان کر دیے جاتے ہیں۔ رحمن عباس عصر حاضر کے ان ناول نگاروں میں سے ایک ہیں جن کی تحریریں جہاں آسان زبان لیے ہوئے ہیں وہاں جنسیت جیسے موضوع کی کتاب میں پنہاں ہو کر زندگی و موت، روح و جسم، فلسفہ و حقیقت اور انفرادی اور مجموعی گتھیوں کو سلجھاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

رحمن عباس نے ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء مہاراشٹر کے گاؤں کوکن میں آنکھ کھولی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک عصری تعلیم میں بھرپور شرکت کی اور ادب سے دلچسپی نے ممبئی یونیوسٹی میں پہنچادیا۔ ۱۹۹۶ء میں بمبئی یونیورسٹی سے ایم اے اردو مکمل کیا۔ ایم اے اردو کے بعد بی ایڈ اور ایم ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں مگر ادب کی پیاس نے ایم انگریزی کرنے پر اکسایا تو ایم اے انگریزی میں داخلہ لے لیا۔ یہ امتحان بھی ۲۰۰۵ء میں پاس کر لیا۔ ۲۰۰۱ء میں مہاراشٹر جونیر کالج سے ملازمت کا آغاز کیا اور اگلے ہی سال مستری ہائی سکول (رتناگری) میں بطور استاد تعینات ہوئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ سکول ہوتا ہوا ریسرچ اداروں تک جا پہنچا۔ ۲۰۰۷ء میں "اسٹریجک فور سائٹ" میں ریسرچ آفیسر کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ رحمن عباس کے قلم میں جو جنبش تھا وہ شاعری، افسانہ، ناول اور تنقید کی صورت میں سامنے آیا۔ موصوف نے فکشن کی دنیا میں ناول سے جو نام کمایا ہے وہ ان کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ رحمن عباس آل انڈیا ریڈیو سے بھی وابستہ رہے اور بطور اینکر مختلف ادیبوں، شاعروں اور تنقید نگاروں کے انٹرویو کیے، اس کے علاوہ انھوں نے دوردرشن کے لئے بڑے بڑے قلم کاروں کے انٹرویوز کئے ہیں جن میں ندا فاضلی، یوسف ناظم، جاوید اختر، سلام بن رزاق اور سلمٰی صدیقی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ رحمن عباس کے ابتدائی ناولوں کی فہرست مایا مریم یوں بیان کرتی ہیں:

> "رحمن عباس کا پہلا ناول "تخلستان کی تلاش" ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کی اشاعت پر ایک طوفان ادب کی دنیا میں بپا ہوا۔ ناول پر فحاشی کا مقدمہ چلا جو ۲۰۱۶ء میں ختم ہوا۔ ناول بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ہوئے فرقہ وارانہ فسادات، بابری مسجد پر ہوئے دہشت گرد حملے اور ممبئی بم دھماکوں کے پس منظر میں مسلم معاشرے میں پیدا ہونے والے شناخت کے بحران کو اجاگر کرتا ہے۔" ایک ممنوعہ محبت کی کہانی "رحمن عباس کا دوسرا ناول ہے جو ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کی تعریف نامور نقاد وارث علوی نے کی ہے ناول میں موجود سینس آف ہیومر کو سراہا ہے۔ دوسری طرف گوپی چند نارنگ نے اس ناول کو کثیر الجہات ناول کہا

ہے۔"خدا کے سائے میں آنکھ مچولی" رحمن عباس کا تیسرا ناول ہے جو ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ریاست مہاراشٹر کی اردو ساہتیہ اکادمی نے اس ناول کو فکشن کی بہترین کتاب کے انعام سے نوازا ہے"۔(۲)

دلی کے قریب دادری کے مقام پر محمد اخلاق کے قتل پر حکومت کے رویے کو دیکھتے ہوئے ساہتیہ اکادمی کے انعام کو ۲۰۱۵ء میں رحمن عباس نے واپس کر کے خالص ادیب اور ادیبوں سے مخلص ہونے کا بھرپور ثبوت دیا۔رحمن عباس کا چوتھا ناول "روحزن" ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا۔اس ناول نے ادبی دنیا میں ایک تہلکہ مچادیا۔اس ناول کی تعریف بیان کرتے ہوئے گوپی چند نارنگ نے اسے ناول کی دنیا میں ایک نیا موڑ قرار دیا اور مستنصر حسین تارڑ نے اسے بے باک بیانیہ قرار دیا۔(۳)

"روحزن" کا اردو سے انگریزی اور جرمنی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔روحزن کی پاک وہند میں یکساں مقبولیت کا اندازہ اس بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ناول عکس پبلیکشنز لاہور سے بھی شائع ہو چکا ہے۔رحمن عباس کا پانچواں ناول "زندیق" بھی ادبی دنیا میں اپنی پہچان بنا چکا ہے۔رحمن عباس تنقیدی اور ترجمے کی دنیا میں بھی اپنے جوہر دکھا چکے ہیں۔مراٹھی کے مفکر سندیپ واسلیکر کی تصنیف "ایکادشے چاشودھ" کا اردو زبان میں "ایک سمت کی تلاش" کے عنوان سے کیا ہے۔۲۰۱۴ء میں "اکیسویں صدی میں اردو ناول اور دیگر مضامین" کے عنوان سے ایک تنقیدی کتاب بھی موصوف کے اثاثوں میں شامل اور تنقیدی ژرف نگاہی کا ثبوت ہے۔رحمن عباس کی ناول نگاری کی انفرادیت کے حوالے سے ڈاکٹر منصور خوشتر لکھتے ہیں:

> "رحمان عباس نے ناول کے فن اور اردو ناول کی تنقید کے المیے پر روشنی ڈالی ہے۔بہت سی روایتی باتوں کو انہوں نے رد کیا ہے اور اردو انگریزی کے ناولوں کے پس منظر میں سماج، اخلاقیات، مستحکم روایت، نئی صورت گری، جذباتی، جنسی گتھیوں کی تہہ در تہہ پھیلی دنیا اور رشتوں کی مبہم کیفیتوں کو گرفت میں لیتے ہوئے سچائی کی آئینہ داری کی ہے۔"(۴)

رحمن عباس مہاراشٹر سے تعلق رکھتے ہیں اور ممبئی شہر میں تعلیم حاصل کی ہے۔جتنا قریب سے مہاراشٹری زندگی کو انہوں نے دیکھا ہے اس کے اثرات ان کی تحریروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔زبان کا استعمال جگہوں کے نام، اشخاص کے نام، کھانوں کی فہرست، روزگار، میل جول، شغل اشغال، ممبئی شہر کی کاروباری زندگی، ممبادیوی کا مندر، حاجی شاہ درلی کا مزار اور سمندر کا رویہ ان سب باتوں کو رحمن عباس نے اس خوبصورتی سے بیان کیا ہے جیسے ایک مضبوط حافظے کا مالک شخص اپنی آپ بیتی سناتا ہے۔"روحزن" ناول کے موضوع کو دیکھ کر فوری طور پر احساس ہوتا ہے کہ شاید روح کی کوئی بات ہو رہی ہے اور روح بھی وہ ہے جو ململ کے کپڑے کی روح باریک اور نرم نازک مگر بیری جیسے کانٹے دار درخت سے پارا پارا ہو کر آئی ہے۔رحمن عباس کی زبانی سنتے ہیں "روحزن کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں:

> "مجامعت روحزن کا ایک آسان علاج ہے۔چور بازار میں عمر دراز شخص نے "کتاب الحکمت بین الآفاق" سے ایک مختصر جملے کو بہ آواز بلند ادا کیا۔پھر وضاحت کرتے ہوئے اس نے صوفی صورت آدمی سے کہا کہ والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کی کسی اور سے جنسی وابستگی کو اگر بچہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے، تو یہ منظر اس کی روح کو پر حزن کر دیتا ہے۔یہ حزن روح میں چھید کر دیتا ہے۔چھید کا رقبہ وقت کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔یہ خالی رقبہ اپنے خالی پن کے سبب روح کا ایک مرض بن جاتا ہے۔اس مرض کا آزمودہ اور آسان علاج انبساط جماع ہے۔"(۵)

مجوزہ ناول رحمن عباس کا چوتھا ناول ہے۔ ''روحزن'' کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے بظاہر اس میں اسرار اور حنا کی کہانی اغلب حصے پر مشتمل ہے تاہم یوسف اور ایمل کے قصے کو بھی کہانی سے سے لے کر فن و فکر تک ناول کا ثانوی حصہ اور نہایت اہم قرار دیا جا سکتا ہے۔ ناول کی کہانی تاریخی شہر ممبئی میں نمو دپاتی ہے۔ ممبئی شہر ممبا دیوی کا شہر کا نام جس طرح تاریخ کے صفحات پر تیسری صدی قبل مسیح سے آج تک موجود ہے اسی طرح عصر حاضر کے بڑے بڑے شہروں میں سے بھی ایک ہے اور نظریاتی اور مذہبی آزادی کے حوالے سے بھی اپنی مثال آپ ہے، ممبئی شہر جس میں کم از کم آٹھ بڑے بڑے مذہبی گروہ موجود ہیں۔ جن میں ہندو مت شہر کی آبادی کے تقریباً اسی فیصد نفوس پر مشتمل ہے، اسلام ممبئی شہر کا دوسرا بڑا مذہب شہری آبادی کے تقریباً ۱۳ فیصد پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد بدھ مت، جین مت، عیسائیت، سکھ مذہب، پارسی اور یہودیت۔ مہاراشٹر کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ریاست کی ثقافت میں مذہب کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ ممبئی شہر کی ثقافت اور رنگینی ایسی ہے کہ جو ایک بار اس میں داخل ہو گیا پھر اس کے لیے یہاں سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے مگر فرق اتنا ہے کہ یہ ثقافت اور رنگینی صرف اسی کو راس آتی ہے جو اس کے مطابق مزاج رکھتا ہے۔ ممبئی شہری کی مالکن اور رکھوالی ممبا دیوی ایک خواب میں اسرار کو ممبئی کا یوں تعارف کرواتی ہیں:

> ''مجھے اس بات کا احساس ہے کہ تم یہاں کے نہیں ہو، یہاں تمھیں ڈر لگ رہا ہو گا اور تم یہاں سے باہر جانا چاہتے ہو۔ عورت نے کہا۔ 'ہاں لیکن یہ تو بتایئے، آپ کون ہو؟ اسرار نے پوچھا۔ 'میر انام ممبا ہے۔ مجھے جزیروں، سمندروں اور جنگل کے سارے بھید معلوم ہیں۔ جب یہاں کا کوئی باسی کسی خواہش میں گرفتار ہو کر کسی کو یہاں لے آتا ہے تو اس کو یہاں سے باہر میں ہی پہنچاتی ہوں۔ 'ممبا نے اطمینان سے اسے سمجھایا۔''(۶)

اسرار کی کہانی ممبا دیوی کی سمجھ میں آچکی تھی کہ یہ بچہ اس ماحول سے واقف نہیں اور اس کی روح بھی یہاں کی کار گزاری کو برداشت کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اسرار نے اپنے والد دیش مکھ کی وفات کے بعد اپنی والدہ کے دکھ دیکھے تھے اور وہ جانتا تھا کہ میری والدہ نے کس طرح میری دسویں جماعت تک کی تعلیم کو مکمل کیا ہے۔ اسرار کو یہاں کی عیش عشرت کیسے راس آسکتی تھی یا پھر وہ یہاں کا ہو کر کیسے رہ سکتا تھا۔ اسرار کو ممبئی کے ماحول سے واقف کروانے اور ملازمت دلوانے میں محمد علی کا بڑا ہاتھ تھا۔ محمد علی کی روح میں اسرار سے بھی زیادہ چھید تھے مگر وہ ان چھید کو کریدنا نہیں چاہتا تھا اور جسمانی لذت کو روح پر غالب رکھے ہوئے اس اصول پر کاربند نظر آتا ہے کہ جسم روح اور خواہشات کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔

ناول کے منظر نامے کے لیے ممبئی شہر کا انتخاب نہایت عقلمندی سے کیا گیا ہے کیونکہ یہ وہی شہر ہے جو سات جزائر کے لوگوں کو نہ صرف سمیٹ کر بیٹھا ہوا ہے کہ بلکہ ان کے جنگ و جدل، امن و آشتی، اتحاد و بغاوت، مذہبی جنگ، مذہب کے نام پر فرقہ واریت، مذہبی بدلے کی اوٹ میں بم دھماکے، شیطانی گروہ کا اپنی پرچار کے لیے حق و باطل کی تمیز مٹانا، ظالم کے لیے مظلوم کا خون پینا اور سیاسی تحاریک کا زور پکڑنا اور جنون کی حد تک آگے بڑھ کر نئے نئے انقلابات کو ہوا دینا اور روحانی سکون کے لیے جسموں کا ادل بدل یہ سب کا سب ممبئی کا خاصا ہے۔ ممبئی میں اگر اسرار پیسہ کمانے آتا ہے تو محمد علی اپنی روح کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے اس کا انتخاب کرتا ہے، شانتی اپنی ماں کا ہمسائے سے جنسی تعلق قائم کرنا اور پھر زلزلے میں دونوں کی موت کے بعد شانتی کا ماموں اشوک شانتی کو بغیر نکاح کے استعمال کر کے ممبئی میں آکر جسم فروشی پر مجبور کرتا ہے۔ یہ وہ کردار ہیں جو اپنی روح کے داغوں کے جسمانی تلذز سے دور کرنے ممبئی کا انتخاب کرتے ہیں۔ حسین بن منصور حلاج کے خلاف احتجاج اور کئی مظلوم مارے جائیں تو بھی ممبئی ہی نشانہ بنے۔ بابری مسجد گرائی جائے اور مسلمان ہندوؤں کا اور ہندو مسلمانوں کا قتل عام کریں تو تب بھی ممبئی ہی کو میدان بنایا۔ مسلمان اور ہندو مذہب کے نام پر آپس میں لڑیں اور تاج محل میں دھماکے کریں تب بھی ممبئی ہی نشانہ بنے۔ بوراشد اور ایمل کے

کرداروں کے ذریعے شیطانی گروہوں کا اپنے مقاصد کا پرچار کرنا اور لوگوں کو آزاد زندگی کی طرف راغب کرنا ممبئی کی سرزمین کا ہی وقوعہ دکھایا گیا ہے:

> "ابھی اسرار کو یہ پتا نہیں تھا کہ جس عمارت کو وہ حیرانی سے دیکھ رہا ہے اُس عمارت کے میناروں نے شہر کی کتنی بہاروں اور حبس زدہ راتوں کو ایسی ہی حیرانی اور استعجاب سے دیکھا ہے۔ عظیم لشان جلسے اور جلوس دیکھے ہیں۔ افراتفری اور سیاسی ہنگامہ آرائی دیکھی ہے۔ مسلک اور مذہب کی مسابقت دیکھی ہے۔ ان میناروں نے پولیس کی وردی میں ملبوس اُن افراد کو بھی دیکھا ہے جنھوں نے "عمر علی عثمان کٹ بیکری" میں فسادات کے دوران قتل عام کیا تھا لیکن جن کا جرم کورٹ میں بھی ثابت نہیں ہو سکا۔ مینارہ مسجد کے میناروں نے ممبئی فسادات کے چند ماہ بعد رات کے آخری پہر، بلکہ صبح کاذب کے وقت امام مجور البخاری المعروف ہجر غلمان کو قریب کی ایک سڑک پر اپنے معتقدین کے ذریعے آر ڈی ایکس کے بکس رکھواتے ہوئے دیکھا تھا۔"(۷)

ممبئی ایک ایسا شہر ہے جہاں ہر روح اپنے مقاصد حاصل کر سکتی ہے اور ہر جسم اپنا سکون تلاش کر سکتا ہے۔ بھکاری سے لے کر بادشاہ تک کے لیے ممبئی میں جگہ موجود ہے۔ اگر ودھی کو سکول دور سے جسمانی لذت سے آشنائی ہوئی تو حنا کالج میں پہنچ کر بھی اس سے دور رہنے میں اپنا مذہب فرض اور والدین کی عزت کا مان سمجھتی ہے۔ ممبئی ممبادیوی کا شہر ہے جس نے نہ صرف فتح کے ذریعے اس کو حاصل کیا تھا بلکہ ماں کی طرح رکھوالی کی بھی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے رکھی ہے۔

روح انسانی جسم کا وہ منتظم اعلیٰ ہے جو جسم کے لیے راستے متعین کرتا ہے اور اس کے سکون کا اہتمام کرتا ہے۔ روح کے متعین کردہ راستوں پر چل کر بعض اوقات جسم کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی زندہ مثال حسین بن منصور حلاج کی ہے جس نے اپنی روح کی بات مان کر کو جسم کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا اور پھر سولی تک کا سفر بھی طے کرنا پڑا۔ یہ سب باتیں روح کے سالم اور سلامت ہونے کی صورت میں ہیں ممکن نظر آتی ہیں۔ "روحزن" کی سکرین پر نظر آنے والے زیادہ تر کردار ایسے ہیں کہ جن کی روح چھلنی چھلنی ہو چکی ہے۔ روح ابتدائی اور بنیادی مادہ ہے اگر وہی زخمی ہو جائے تو جسم کا راستے سے بھٹک جانا اور سکون کی تلاش کے لیے اپنی مرضی کرنا ضروری ٹھہرتا ہے۔ ایسے کون سے محرکات ہیں جنھوں نے ان کرداروں کی روح کو چھلنی چھلنی کر دیا ہے۔ روح کی ابتدائی تربیت کا تعلق گھریلو ماحول سے ہے۔ گھریلو ماحول اس روح کو نیک سادھو، شریف، مخلص، ہمدرد اور خدا ترس بنا سکتا ہے اور یہی ماحول بالکل متضاد عمل بھی دکھا سکتا ہے۔ اسرار کی روح پر بھی کچھ ایسے اثرات مرتب ہوئے کہ اس کی روح بے قرار اور مضطرب پروانے کی صورت اختیار کر گئی۔ ایک شام اسرار اپنی فیملی اور مس جمیلہ کے ساتھ رتنا گیری کے ساحل پر سیر کے لیے جاتا ہے تو وہاں سمندر کو دیکھ کر اپنی روح اور سمندر میں کچھ ایسی یکسانیت نظر آتی ہے:

> "سمندر کی موجوں کو دیکھ کر اسرار کے دل میں اداسی نے کروٹ لی۔ اس کروٹ نے اس کی نظروں کے سامنے سمندر کو ایک بھنور نما میں بدل دیا۔ بھنور میں پانی کا رنگ سرخ تھا بلکہ یہ پانی نہیں تازہ لہو تھا۔ تازہ لہو صرف گردش نہیں کر رہا تھا بلکہ دوران گردش لہوں میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے بھنور بن رہے تھے۔ ہر بھنور میں اسے اپنے والد کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ تین چار منٹ یہ بھنور اس کی آنکھوں میں رقص کرتے رہے۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ ڈرل مشین سے اپنے دیدوں میں چھید کرے تاکہ وہاں جمع لہو فوارہ بن کر ابل پڑے۔"(۸)

اسرار کی روح میں جو چھید تھے وہ اس کے والد کی وفات کے تھے۔ دیش مکھ کی وفات سمندر میں گرداب آنے کی صورت میں ہوئی تھی اس لیے آج بھی اسے سمندر پر ویسا ہی غصہ اور اپنی روح میں ویسی ہی بے چینی نظر آتی ہے۔ اسرار کی روح میں ہونے والے ان چھیدوں پر پہلا مرہم مس، جسمانی لذت کی صورت میں رکھ چکی تھی تاہم اس مرہم نے جسمانی زخم تو بھرنے میں معاونت کی مگر روح کو پر سکون کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

اپنوں کی موت کے علاوہ بھی ایسے کچھ امور ہوتے ہیں جو انسان کی روح کو تار تار کر جاتے ہیں۔ اس میں موت تو نہیں ہوتی مگر موت سے بھی بڑھ کر صدمہ ہوتا ہے۔ شانتی ایک ایسا ہی کردار ہے جس کی روح پر زخم دینے والے اس کے اپنے ہیں، شانتی سکول جانے والی بچی ہے اور ابھی تک شاید اس جسمانی اتصال کے بارے میں ویسا علم بھی نہیں مگر رشتوں کے خلوص کے بارے میں پڑھ کر ان کا پرکھنے کا علم ضرور رکھتی ہے۔ شانتی کی روح میں چھید کرنے والی اس کی ماں ہے۔

شانتی ایک دن بریک ٹائم سکول سے گھر واپس آئی تو گھر کا دروازہ بند تھا اسے یاد آیا کہ دادی اور ابو تو صبح ہی ساتھ والے گاؤں چلے گئے تھے ممکن ہے امی بھی کسی کے گھر گئی ہوں، مگر وہ حیران تھی کہ دروازہ اندرونی طرف سے مقفل ہے۔ اس نے طرف سے لگی ہوئی سیڑھی پر چڑھ کے ایک چھید سے دیکھا تو اس کی ماں اپنے ہمسائے شیو سیناشا کھا پر کھ کے ساتھ ناقابل بیان حالت میں تھی۔ شانتی بہت حیرائی ہوئی کہ ماں میرے باپ کی کمائی کھا پی کر بھی اس کے ساتھ بے وفائی کر رہی ہے۔ یہ ایسے زخم تھے جس نے شانتی کی روح کو گھائل کر دیا اور وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہوئی کہ دادی جو میری ماں کو گالیاں دیتی ہیں وہ صرف گالیاں نہیں بلکہ حقیقت ہے۔(۹)

شانتی اپنی روح پر لگنے والے زخم اور ماں اور باپ سے محبت کے پستی رہی اور اسے اس بات کا تو اندازہ تھا کہ اگر اس نے ابا سے بات کی تو وہ ماں کو گھر سے نکال دے گا اور اس طرح وہ ماں کی محبت سے محروم ہو جائے گی۔ شانتی نے اس دکھ کو سینے سے لگا کر حافظے کے تعویذ میں پرو کر روح کی الماری میں محفوظ کر لیا اور اسی تعویذ کا اثر تھا جس نے شانتی کو اپنے ماموں کے اشوک کے بستر پر پہنچا دیا اور وہاں سے جسم فروشی کے اڈے پر پہنچا دیا۔ شانتی کو اس بات کا یقین تھا کہ روح کے داغوں کو جسم ہی دھو سکتا ہے۔

اسرار کا دوست محمد علی ایک ہشابشاش اور ہنستا مسکراتا چہرہ جس نے اسرار کو ممبئی لا کر ملازمت دلوائی اور اپنی صحبت میں رکھ کر ممبئی میں ایڈجسٹ ہونے میں مکمل معانت کی۔ محمد علی نے پہلی تنخواہ ملتے ہی اسرار کو طوائفوں کے ڈیرے کی سیر بھی کروائی تھی اور شانتی سے مجامعت کرنے کے لیے اس کے کمرے تک پہنچا دیا تھا۔ محمد علی کے ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اسرار کو کبھی یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ محمد اس قدر دکھی شخص ہو سکتا ہے۔ یہ راز تو اس وقت کھلا جب اسرار ممبئی جانے کے بعد پہلی دفعہ واپس مابعد مار فو آیا تھا اور محمد علی کی نصیحت پر ان کے گھر گیا۔ اسرار، محمد علی کے گھر کا ماحول دیکھ کر بہت خوش ہوا مگر تھوڑا غمگین بھی ہوا جب اسے پتا چلا کہ ریحانہ بیگم محمد علی کی سگی والدہ نہیں بلکہ اس کی سگی والدہ رشیدہ ہیں جو اس کے باپ کے ساتھ بے وفائی کر کے جا چکی تھیں۔ اسرار نے اپنے گھر میں رشتہ کے داروں کے منہ سے جب رشیدہ کے متعلق حقائق سنے تو اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ اسرار کو فوری طور پر محمد علی کی طبیعت کے متعلق خیال آیا:

> "رشتے دار نے بھی ریحانہ بیگم کی بہت تعریف کی اور ساتھ محمد علی کی والدہ رشیدہ کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں۔ جنھیں سن کر وہ مبہوت اور مایوس ہوا۔ رفتہ رفتہ افسردگی نے اسے گھیر لیا۔ وہ بہت تکلیف محسوس کرنے لگا۔ محمد علی زندگی اور شخصیت میں بہت ساری متضاد حقیقتیں دکھائی دینے لگیں۔ اُس نے محسوس کیا محمد علی کے دل پر گہرا زخم ہے جسے وہ ممبئی کی آوارگیوں میں فراموش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"(۱۰)

روح جب زخم خوردہ ہوتی ہے تو جسم اس کا طبیب بن جاتا ہے اور زخم خوردہ روح کے لیے طرح طرح کی ادویات تلاش کرتا ہے۔ روح جو جسم پر ایک مدت سے حکمت کے تیر چلا کر غالب چلی آرہی ہوتی ہے اب وہ اپنے جسم کے جذبات کے سامنے محکوم ہو جاتی ہے۔ جسم اپنی بقا اور روح کی شفا کے لیے جسمانی اتصال کی صورت میں کامیاب علاج تلاش کرتا ہے۔ محمد علی کی روح کو اس کی ماں کی طرف سے دیے گیے زخموں نے مفلوج کر دیا تھا۔ محمد علی بظاہر تو زندہ تھا مگر اندر سے مر چکا تھا بس وہ جسم کو زندہ رکھنے اور سماج کو دکھانے کے لیے اپنی جان پر یہ ستم برداشت کیے جا رہا تھا اور وقت کی ضرورت کے مطابق مصنوعی مسکراہٹیں بھی چہرے پر سجا لیتا تھا اور شکن کا بوجھ بھی اٹھا لیتا تھا۔ محمد علی کی ماں کی غلطی کو ایک مدت بیت چکی تھی مگر اب تک بھی سماج اس کو معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔ عورت اگر اپنی جسمانی خواہش یا دلی جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی کے ساتھ وقت گزار لے تو یہ سماج اسے قبول کر لیتا ہے مگر وہ کسی کے ساتھ ہولے تو اسے قبول کرنا یہ سماج اپنی توہین سمجھتا ہے۔ محمد علی کی روح پر اس کے علاوہ ایک دوسرا داغ یہ بھی تھا کہ اس کی ماں نے اس کے باپ کے علاوہ اس کے ساتھ بھی بے وفائی کی ہے:

> "اسرار نے گردن اونچی کی اور آسمان کو دیکھا۔ آسمان خالی تھا۔ آنکھ کے رقبے میں جتنا آسمان اس نے دیکھا وہاں نہ چاند تھا نہ ستارے۔۔۔ سیاہ، خالی اور روشنی کے نقطوں سے محروم آسمان کی طرف دیکھ کر اس کے دل میں ایک خیال نے کروٹ لی۔ اُس نے محمد علی کی طرف دیکھا۔ آج اسے ایسا لگ رہا تھا محمد علی اندر سے کلی طور پر خالی ہے۔ کچھ دیر پہلے نشے کی ترنگ میں محمد علی نے ایک جگہ رک کر جھلملاہٹ کے ساتھ کہا تھا: 'میری ماں نے سب سے بڑی گلتی یہ کی۔۔۔ کہ میرے کو چھوڑ کر چلی گئی۔ میرے کو بھی ساتھ لے کر جاتی۔۔۔ تو اس کا کیا جاتا۔'۔۔۔ اسرار یہ سمجھ گیا تھا کہ محمد علی یہ سوچ رہا ہے کہ وہ کس طرح بیان کرے کہ دن بہ دن یہ حزن اُس کی روح میں کینسر کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔"(۱۱)

روح راستوں کا انتخاب کرنے میں جسم کے لیے روشنی کا کام کرتی ہے مگر جب خود روح ہی اس قدر داغدار ہو جائے اور اسی کی روشنی اپنے لیے بھی ناکافی ثابت ہو رہی ہو تو جسم کے لیے اپنی مرضی کے فیصلے کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اب یہ جسم شراب پی کر سکون حاصل کرے یا پھر جسموں کے اتصال میں راحت محسوس کرے تو اس کو روکنے اور برا کہنے کا روح کے پاس کوئی جواز باقی نہیں بچتا۔

یوسف بھی ایک ایسا ہی کردار ہے جس کو بچپن میں ہی اپنے والد صاحب کی طرف سے ایک ایسی چوٹ پہنچی تھی جس نے اس کی روح کو تار تار کر دیا۔ یوسف نے خود کو دنیاوی کام میں مگن کر کے اپنی والدہ کی خدمت پر خود کو معمور کر لیا تھا مگر ۱۵ سال کی عمر میں والدہ وفات پا گئیں اور یوسف کی تعلیم بھی ایف اے میں فیل ہونے تک محدود رہی۔ یوسف کو زندگی نے بنانے سنوارنے کا خوب موقع بخشا تھا اور اس نے اس موقع کو استعمال بھی کیا اور کاروباری دنیا میں ناگپاڑہ جنکشن جیسی جگہ پر اپنا نام بنا لیا۔ یوسف اپنی روح کے داغدار ہونے کا قصہ یوں سناتے ہیں:

> "چند روز بعد اس نے سرکاری کلرک کو رشوت دے کر جعلی برتھ سرٹیفکیٹ بنا لیا۔ ماں نے آرام سے اپنی زندگی گزاری، کبھی اُس آدمی کا ذکر نہیں کیا جو اس کا باپ تھا۔ جب یوسف پندرہ سال کا ہوا تب ممبئی میں ملیریا کی وبا پھیلی تھی اس وبا میں اس کی ماں بخار میں مبتلا ہوئی اور تیسرے دن فوت ہو گئی۔ تدفین کے لیے پالن پور سے آنے والے رشتہ داروں میں اس کا باپ بھی شامل تھا۔ وہ لوگوں سے پوچھتا رہا کہ تفسیر روح المعانی کہاں ہے۔ ممبئی میں اس کے ماموں کے پڑوسی اور رشتے دار اس نام سے واقف نہیں تھے۔ چنانچہ ہر کسی نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔"(۱۲)

جس بچے کا باپ اس کو اپنا نام دینے سے انکاری ہو جائے اور اس کی ماں کو بھی طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا رکھے اور ماں کو گھر سے بھی بے دخل کر دے تو ایسے بچے کا مستقبل کیا ہو گا؟ اس باپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بیٹے کے سنورنے سدھرنے کے خواب دیکھے یا اس کی کسی غلط کاری پر کوئی سوال اٹھائے۔ اس ناول کے باقی حصے میں یوسف کا معاملہ کچھ اس لیے مختلف ہے کہ یہ ایک عمر تک ٹھیک رہا حتیٰ کہ شادی کی اور کاروباری دنیا میں بھی اپنا نام بنالیا مگر بچپن میں روح پر جو زخم لگے تھے اور باپ کی تربیت ساتھ نہیں اس نے ہمیشہ موقع کی تلاش جاری رکھی۔ جونہی یوسف کسی شیطانی گروہ کے ہتھے چڑھتا ہے تو وہ گناہ، ثواب، حق باطن، دنیا آخرت اور حتیٰ بیوی اور بچوں تک کو بھول جاتا ہے۔ یہ سب ایسے کردار سامنے آئے ہیں جن کی روحیں داغدار اور کھوکھلی ہیں۔ یہ کردار جہاں حقیقی سکون سے محروم تھے وہاں ابتدائی تربیت سے بھی نابلد تھے۔

مجوزہ ناول میں روح کے چھید مٹانے کے لیے مجامعت کو بنیادی کلید قرار دیا گیا ہے۔ جسم روح اور جذبات کے درمیان پل کا کام کرتا ہے اور جب روح اور دماغ کا تعلق کمزور پڑ جائے تب جسم ثالث کا کردار ادا کرتا ہے۔ جسم صرف بیرونی چوٹیں برداشت کرنے کے لیے ہی نہیں یا پھر بیرونی حدت اور شدت کی خبر پہنچانے کے لیے ہی نہیں بلکہ روح کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک مضبوط قلعے کا کردار ادا کرتا ہے۔ اسرار کو پہلی بار مس جمیلہ نے جب جسمانی لذتوں سے آشنا کیا تو اسرار نے شاید اپنے غموں کے بوجھ کو کم ہوتا ہوا محسوس کیا۔ جسمانی لذت اصل میں روح سے غافل ہونے کا نام ہے اور تمام غموں کا بسیرا روح میں ہی ہوتا ہے۔ اسرار جب دوسری بار مس جمیلہ کے گھر پہنچتا ہے تو یہ بات سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مس اپنے شوہر کے ساتھ کیوں بے وفائی کر رہی ہے:

> ”جمیلہ مس کے مکان کی سیڑھیاں شروع ہوئیں تو اپنے نفس کی حزنیہ کیفیت سے ابھرتے ہوئے اُس کی زبان سے ادا ہوا: ‘جمیلہ مس بھی تو اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی کر رہی ہے۔ اس خیال پر وہ مسکرایا ایک پل کے وہ رک گیا۔ وہ مڑا، اور اس نے پیچھے دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اُس کا عکس بھی نہیں تھا۔ اُس نے سوچا کبھی کبھی عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔ عکس کا خیال اُس کے دل میں وارد ہوا تو یکا یک جانے کہاں سے اُس کے ذہن میں اس کا ایک نیا عکس ابھرا اُس نے خود کو پسند کیا۔ اپنے نئے عکس سے اس نے کہا: ‘جمیلہ مس کی بے وفائی میں وہ بھی شریک تھا۔ بے وفائی ایک سلسلہ ہے۔“(۱۳)

یہ ایک سلسلہ تھا جسے بے وفائی کا سلسلہ کہا جا رہا تھا مگر اس سلسلے کو منظر عام پر لانے میں روح کا اہم کردار تھا۔ روح اتنی داغدار نہ ہوتی تو یہ لوگ نہ بے وفائی کے سلسلے سے جڑتے اور نہ ہی جسموں کی لذت کو خود پر غالب کرتے۔ اسرار بھی اس بات کو جانتا تھا کہ بے وفائی نفس کی دریافت کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو غموں کی دیوار کو گرا کر خوشیوں کے در وا کرتا ہے۔ جب تک انسان روح کی سرشاری سے وابستہ رہتا ہے تب تک وہ باطنی اور خارجی بغاوت کا سوچ بھی نہیں سکتا مگر جب روح غم کی دہلیز بن جائے تب اس کا آخری سہارا جسم اور جسم بغاوت کی طرف لے جاتا ہے۔ ”اکیسویں صدی میں اردو ناول“ نامی کتاب میں رحمن عباس کرداروں کی باطنی کیفیت اور معاصر نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”دوسری طرف جو بات قابل توجہ اور باعث مسرت ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے معاصر ناول سماجی و سیاسی زندگی کی تفہیم کی کوشش کر رہے ہیں۔ معاشرتی صورت حال میں آدمی کی باطنی اور ذہنی کیفیات کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“(۱۴)

محمد علی کی روح بھی کچھ ایسے داغ لگے کہ جنھوں نے اس کی روح کو زخمی اور لاغر کر دیا۔ محمد علی نے سماج کے باقی لوگوں کی طرح جینے کا فیصلہ کیا اور وہ جی بھی رہا ہے مگر اس جینے میں زندگی کی حقیقی خوشی مفقود ہے۔ محمد علی چاہ کر بھی اپنے سینے میں محفوظ غموں کو دھو نہیں پا رہا اور اس کا نتیجہ یہی نکل رہا ہے کہ وہ دن بہ دن روح سے دور اور جسم کے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جو گھر والوں کی نظر میں ہنسی خوشی زندگی گزار رہا ہے اور اپنی والدہ کے دیے ہوئے غم کو بھول چکا ہے مگر یہ صرف بیرونی حالت ہے جو سب کے سامنے ہے اور داخل کی حالت بالکل اس کے برعکس اور اب تو اس نے کبھی اپنی روح کی آواز کو سنا بھی نہیں اور صرف وہی کرتا ہے جو اس کے جسم کی غذا ہوتا ہے۔ آج ڈانس کلب پہنچ کر شراب کا جام ہاتھ میں لے کر بھی افسردہ ہی دکھائی دے رہا ہے اور چاہ کر بھی اپنی کیفیت کو چھپا نہیں پا رہا:

> ”محمد علی نے پچھلے چند برسوں میں کوشش کی تھی کہ جس عورت کو اس کے گھر کے تمام افراد فراموش کر چکے ہیں وہ بھی فراموش کر دے لیکن گزرے وقت کے ساتھ یہ بات زیادہ مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ گناہ، ثواب، نیکی اور بدی جیسے لفظوں سے وہ پرے جا چکا تھا۔ اب اُس نے اتنی زندگی دیکھ لی تھی کہ اُس کی ماں کا ماضی اُس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھا وہ اپنی ماں کو قبول کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی ماں کہاں ہے؟ اس کیا بیتی ہے؟ وہ زندہ ہے یا مر چکی ہے؟ وہ بہت کم گاؤں جاتا تھا جس کا ایک سبب اس کا گاؤں اس کی اذیت میں اضافہ کرتا تھا ممبئی میں یہ اذیت گم شدہ سایہ بن جاتی تھی جو اسے زیادہ ڈسٹرب نہیں کرتی تھی“۔(۱۵)

زندگی خود اتنی اذیت نہیں دیتی اور نہ ہی کوئی انسان اپنی زندگی کو اس قدر اذیت دینے والی بناتا ہے مگر سماج اور زندگی کے غم کے تماشائی انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور وہ لوگ انسان کے معمولی سے غم کو بھی کوہِ گراں بنا دیتے ہیں۔ محمد علی کا غم جس کو اس کے والد نے، اس کی بہن نے اور دیگر لوگوں نے فراموش کر دیا تھا مگر وہی غم اسرار کے لیے کوہ گراں بنا ہوا تھا کیونکہ اس نے اس غم کو جسم کی دہلیز سے گزار کر روح کے تخت پر بٹھا رکھا تھا۔ ایک مدت سے گاؤں جانا ترک کیا ہوا تھا اور زندگی کو ممبئی کے بلیک ہول میں بے نام بنا رکھا تھا۔ اس بلیک ہول میں کبھی اس کو اپنے لیے وقت ملا ہی نہیں تھا اگر وقت ملتا بھی تو وہ شراب کے اڈوں اور طوائفوں کی بستی میں جا کر گزار لیتا تاکہ روح کی آواز اٹھنے سے پہلے جسم کو لذتوں کی مصروفیت میں ڈال دیا۔

یوسف کا کردار ایک مختلف کردار ہے جس کی روح اس قدر داغدار نہیں یا اس کے جسم پر بوجھ نہیں بلکہ ایک خوشگوار زندگی گزار رہا ہے۔ بیوی اور بچے اور پھر ایک اچھا کاروبار مگر اس کی روح مزید سے مزید تر کی متلاشی ہے اور اس میں جسمانی سکون کو افضلیت حاصل ہے۔ یوسف کی کہانی پیسے کی لالچ سے شروع ہوتی ہے اور خوبصورت جسم کی صورت میں ایمان فروشی پر جا کر اختتام کو پہنچتی ہے۔ یوسف کا امتحان اس وقت شروع ہوتا ہے جب ایمل اس کے سامنے آتی ہے اس کی خوبصورتی اور لفظوں کی جنگ کے سامنے یوسف اپنا ایمان تک کھو بیٹھتا ہے۔ یوسف جب ایمل کے جسم کا مزہ چکھتا ہے تو یہ بھی بھول جاتا ہے کہ شیطانی کھیل میں بیوی، بچوں اور ایمان کو پس پشت ڈال کر روح اور جسم کے فرق کو مٹا رہا ہوں۔ ایمل نے ایک بار اسے شیطانی کے پیروکاروں کی ایک حکایت سنائی:

> ”ایمل نے پیگن (pagan) تہذیب کی ایک حکایت سنی تھی، جس میں ایک لڑکی اپنے جسم کا عطر ایک نوجوان کے بدن پر لگاتی ہے جس سے نہ صرف اس کے جسم پر لگے زخم بھر جاتے ہیں بلکہ اس کی روح پر لگا داغِ بے وفائی بھی یک لخت مندمل ہو جاتا ہے۔ ایمل کے ذہن میں یہ کہانی اس لمحہ کیوں روشن ہوئی، یہ غالباً ایمل کو بھی پتا نہیں

تھا۔ البتہ غیر شعوری طور پر اس نے اپنے گلابی ہونٹ کی پنکھڑی سے رسنے والی نمی اپنی انگلیوں میں لے کر یوسف کے ہونٹ، گردن اور سینے پر مل دی۔۔۔ جہاں روح اتصال حقیقی کی تفہیم کے لیے متسکن ہو جاتی ہے۔"(۱۶)

یوسف ایک تیز مزاج کاروباری آدمی تھا مگر وہ یہ بھی نا سمجھ سکا کہ سودا کرنے والے مجھے کسی دھوکے میں نہیں رکھ رہے بلکہ صاف بتا کر اپنے جسم کا مزہ چکھا کر میرا ایمان خرید رہے ہیں۔ ایک وقت تھا جب یوسف کے نزدیک حق اور باطل دو ہی گروہ تھے اور وہ صرف حق کو ہی جانتا تھ اور اسے ہی مزید جاننا چاہتا تھا اور باطل کو وہ کوئی چیز نہیں سمجھتا تھا اور اس کے بارے میں کچھ جاننا بھی نہیں چاہتا تھا مگر افسوس آج جسمانی نشے کی ترنگ میں آکر ایمان تک کو بھول کر شیطانی فرقے کی بات کو سچ سمجھ رہا ہے۔ یوسف نے اسی گروہ کی محفل و مجالس میں شرکت شروع کر دی اور ان کی باتوں کا پرچار بھی شروع کر دیا۔ اس بات کی انتہا اس وقت سامنے آتی ہے جب یوسف اس کام میں درپیش آنے والی ہر رکاوٹ کو دور رکھنے کے لیے اپنی بیوی بچوں سے الگ رہنا شروع کر دیتا ہے اور پھر اسی کام کی ایک بھرپور تربیت اور ترویج کے لیے امریکہ کا دورہ بھی کرتا ہے۔

رحمن عباس کے باقی ناولوں کی طرح "روحزن" بھی ایک ایسا ناول ہے جس میں جنسی تڑکا لگایا گیا ہے مگر حقائق اس قدر گہرے اور واضح ہیں کہ غور کرنے پر جنسی تلذز سے بڑھ کر عقل کی گتھیاں وا ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ رحمن عباس نے اس ناول میں پس منظر سے لے کر کرداروں تک کو ایک طے شدہ، سوچی سمجھی اور وقت کی از بس ضرورت کے تحت اختیار کیا ہے۔ ناول نگار نے ممبئی اور سمندر کا جو منظر ناول میں دکھایا ہے وہ ناول کے لیے ایک خاموش فلم کا کردار ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے مثلاً اگر یہ کردار کچھ بھی نہ بولتے تب بھی یہ ناول مکمل ہوتا اور اپنا حق بخوبی ادا کر دیتا مگر کرداروں کی پیشکش اور ڈائیلاگ نے اس ناول کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ سمندر کی خواہش مزید پھیلنے کی ہوتی ہے، شہر کی رونق بڑھتی ہوئی آبادی اور کاروباری زندگی سے اور آبادی کی خواہش سہولیات کا وافر مقدار میں میسر آنا اور روح و قلب کو مطمئن رکھنا ہوتا ہے۔ سمندر جب سے وجود میں آیا ہے تب سے آج تک سات جزیروں کو کئی بار شکست دے چکا ہے اور تب سے آج تک لاکھوں لوگوں کے روزگار کا سبب بنا ہوا ہے۔ بہت سے عشاق حضرات کبھی اس کے کنارے بیٹھ کر دل کی باتیں کرتے ہیں اور روحانی اور جسمانی سکون حاصل کرتے ہیں اور کبھی من کی بات پوری نہ ہونے پر یا پھر من کی سنتے ہوئے سمندر کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ممبئی شہر قبل از مسیح سے لے کر آج تک صفحہ ہستی پر موجود ہے۔ شہر کوئی بھی بلیک ہول نہیں ہوتا بلکہ انسان کی بے قابو خواہشات ہر اس جگہ کو بلیک ہول بنا دیتی ہیں جہاں وہ رہتا ہے۔ ممبئی شہر تو کروڑوں لوگوں کے روزگار کا مرکز بنا ہوا ہے مگر یہ لوگ وہاں کس مقصد کے تحت اکھٹے ہوتے ہیں یا وہاں رہ کر کس مقصد کی تکمیل کرنے لگ جاتے ہیں یہ ان پر منحصر ہے۔ گوتم بدھ نے کہا تھا جب انسانی خواہشات حد سے بڑھ جاتی ہیں تو وہی انسان کے لیے روحانی اور جسمانی بیماروں کا سبب بن جاتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد حفیظ سید اپنی کتاب "گوتم بدھ سوانح حیات و تعلیمات" میں لکھتے ہیں:

> "دراصل گوتم بدھ نے خدا کا کوئی تصور پیش نہیں کیا، دوسرے الفاظ میں وہ خدا کے وجود کے قائل نہیں بلکہ روحانی قوت کے قائل تھے۔ انہوں نے جو تعلیمات پیش کیں ان کا تعلق زیادہ تر اخلاقیات سے ہے۔ وہ انسان کو خواہشات کے خاتمہ کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی خواہشات کم کر دے گا تو اس کی روحانی اور جسمانی بیماریاں اور تکالیف خود بہ خود ختم ہو جائیں گی۔"(۱۷)

مجوزہ مقالے کو موضوع کی تحدید میں رہتے ہوئے ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ روح اور جسم کے مکالمے میں انسان کی روح جب کمزور پڑ جاتی ہے تو جسم غالب آجاتا ہے۔ اس کی مختلف مثالیں ہم درج بالا سطور میں لے چکے ہیں کہ ناول کے اکثر کردار روحانی طور پر اس قدر زخم خوردہ تھے کہ ان کو اپنے زخموں کا مرہم جسمانی لذتوں میں پنہاں ملا۔ گوتم بُدھ کی تعلیمات کی صداقت اپنی جگہ پر مگر اس ناول میں ہم نے یہ

مشاہدہ کیا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر کرداروں کی روحیں پہلے گھائل ہوئیں اور بعد میں وہ جسمانی لذتوں کی طرف آئے۔ یوسف کی صورت میں ایک ایسا کردار بھی سامنے آیا کہ جس کی روح سنبھل چکی ہے مگر پھر بھی جسمانی لذت میں کھو کر ایمان تک کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ روح اور جسم کے مکالمے کے تناظر میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کرداروں کی روحین مفلوج اور جسم متحرک ہیں، روحیں محکوم اور جسم حاکم ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ منصور خوشتر، ڈاکٹر، اردو ناول کی پیش رفت، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۱۱

۲۔ مایا مریم، مشمولہ روحزن، عکس پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء ص، سرورق

۳۔ ایضاً، سرورق

۴۔ منصور خوشتر، ڈاکٹر، اردو ناول کی پیش رفت، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۲۶

۵۔ رحمن عباس، روحزن، عکس پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء ص ۳۴۰

۶۔ ایضاً ص ۲۵

۷۔ رحمن عباس، روحزن، عکس پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء ص ۴۴

۸۔ ایضاً ص ۵۰

۹۔ ایضاً ص ۹۸

۱۰۔ رحمن عباس، روحزن، عکس پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء ص ۱۱۹

۱۱۔ ایضاً ص ۲۷۴۔۲۷۳

۱۲۔ رحمن عباس، روحزن، عکس پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء ص ۲۲۰

۱۳۔ ایضاً ص ۱۲۰

۱۴۔ سیفی سرونجی، ڈاکٹر، اکیسویں صدی اور اردو ناول، انتساب پبلی کیشنز، انڈیا، ۲۰۱۵، ص ۵

۱۵۔ رحمن عباس، روحزن، عکس پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء ص ۲۷۲

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۶۶

۱۷۔ محمد حفیظ سید، ڈاکٹر، گوتم بدھ سوانح حیات و تعلیمات، بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۲۰ء سرورق

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Mansoor Khushtar, Dr., *Urdu Novel ki Pesh Raft*, Book Talk, Lahore, 2019, p. 11
2. Maya Maryam, mashmoola *Rohzin*, Aks Publications, Lahore, 2017, sar-e-waraq
3. Aizaan, sar-e-waraq
4. Mansoor Khushtar, Dr., *Urdu Novel ki Pesh Raft*, Book Talk, Lahore, 2019, p. 26
5. Rahman Abbas, *Rohzin*, Aks Publications, Lahore, 2017, p. 340
6. Aizaan, p. 25
7. Rahman Abbas, *Rohzin*, Aks Publications, Lahore, 2017, p. 44
8. Aizaan, p. 50
9. Aizaan, p. 98
10. Rahman Abbas, *Rohzin*, Aks Publications, Lahore, 2017, p. 119
11. Aizaan, pp. 273–274
12. Rahman Abbas, *Rohzin*, Aks Publications, Lahore, 2017, p. 220

13. Aizaan, p. 120
14. Saifi Saroonji, Dr., *Ikkisween Sadi aur Urdu Novel*, Intisaab Publications, India, 2015, p. 5
15. Rahman Abbas, *Rohzin*, Aks Publications, Lahore, 2017, p. 272
16. Aizaan, p. 166
17. Muhammad Hafeez Syed, Dr., *Gautam Budh: Sawanih Hayat wa Taleemat*, Book Fort Research and Publications, Lahore, 2020, sar-e-waraq